کربلا۔۔۔تاریخ اسلامی کا انقلاب آفرین موڑ

ڈاکٹر وحید اختر نصیر آبادی پروفسور فلسفہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

انسانی تہذیب کے بے کراں سیل رواں میں ان گنت واقعات، حادثات حبابوں کی طرح رونما ہوئے، ایک دو نفس کے لئے سر اٹھایا، پھر وقت کی موجوں میں اس طرح گم ہوئے کہ ان کا سراغ بھی نہ ملا۔ ہاں، چند واقعات نے ایسی لہریں پیدا کیں جن کا سلسلہ برسوں اور کبھی کبھی صدیوں پانی میں تموج پیدا کرتا رہا۔ ان واقعات کے پس پشت کبھی کبھی لاکھوں کے لشکر کارفرما ہوئے، کبھی چند افراد۔ سکندر کا سیلِ لشکر کشی ہندوستان کی سرحدوں سے ٹکرا کر پلٹ گیا۔ تاریخ نے اسے بڑے فاتح کا نام دیا۔ چنگیز اور ہلاکو کی فوجوں نے پورے ایشا کو چین سے ترکی تک اور اطراف کے یورپی ممالک سے ایران و عرب و مصر تک بار بار تہ و بالا کیا۔ تیمور کی فوجیں یورپ کے قلب تک درآئیں، ماسکو میں پرچم لہرائے۔ تاریخ نے ان فاتحین کو تباہ کار کہا۔ افراد، جنھوں نے اپنی فکر و نظر سے سیل تاریخ کا رخ موڑا ان عظیم فاتحوں اور تباہ کاروں سے کہیں زیادہ عرصے تک تاریخ کے سینے میں دھڑکتے رہے۔ سقراط، گوتم بدھ، کنفیوشس، افلاطون، ارسطو، اور تمام فلسفی، سائنسداں، شعراء، ادیب اور فنکار تاریکی کے اتھاہ سمندر میں روشنی کے مینار بن کر ابھرے، سیل وقت نے احترام کے ساتھ ان کے سامنے سر جھکایا اور ان کی آواز کی لہروں کو اپنے سینے میں جذب کر کے آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ لیکن روشنی کے ان سلسلوں میں ایک سلسلہ وہ ہے جس کا نور ذہن انسانی کے بجائے الوہی سرچشمے کا فیضان تھا۔ یہ سلسلہ انبیائے کرام کا شجرِ نور ہے، ان کے انفاس سے روشنی کی وہ شعاعیں پھیلیں جن سے دلوں میں چراغ جگمگائے، ذہنوں میں صبحیں اتریں، راستے روشن ہوئے، اخلاق کا تزکیہ ہوا، نفوس کا تصفیہ ہوا، ان کے سینوں میں اترنے والی وحی بعد میں آنے والی نسلوں کے اخلاق و کردار کے فانوسوں میں جگمگائی، شمع سے شمع جلتی رہی۔ یہ سلسلہ انبیائے ماقبل سے ابراہیمؑ تک پہنچا، کعبہ کی بنا پڑی، ایثارِ اسمٰعیلؑ نے قربانی کی ایک اٹوٹ روایت قائم کی، وادیٔ بے زراعت میں چشمۂ زرخیزی پھوٹا۔ دعائے خلیل نے بابِ اجابت وا کیا تو ابراہیمؑ کے شجر آرزو میں وہ برگ و بار پیدا ہوئے کہ ذریت ابراہیمؑ نے اسحٰقؑ و اسمٰعیلؑ کے وسیلے سے ہزاروں سال مستضعفین عالم کی رہنمائی کی، گمراہی کی ظلمات سے نکال کر ہدایت کی روشنی کا راستہ دکھایا۔ موسیٰ کے عصا نے فرعون کا زعم خدائی توڑا ید بیضا نے پسماندگان کو پیش رفتگی کی منزل تک پہنچایا۔ عیسیٰؑ نے اخلاق کا وہ درس دیا کہ مردہ ضمیروں میں نئی اخلاقی زندگی کسمسائی، دنیا کے ٹھکرائے ہوؤں کو دنیا سر کرنے کا حوصلہ ملا۔ یہ سلسلہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر مکمل ہوا۔ ارضِ کعبہ سے اذانِ حق کی صدا

بلند ہوئی۔ حرا کی خلوت میں ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ'' کی آواز یوں گونجی کہ اس کی لہروں نے بہت جلد پورے جزیرہ نمائے عرب کو اپنے سایے میں لے لیا۔ ہجرت نے مدینہ بسایا، یثرت کا ستارہ چمکا کہ آفتاب رسالت نے اسے اپنا مامن ومرکز بنایا۔عرب کے خانہ بدوش بدّو، آپس میں صدیوں سے دست وگریباں قبائل، نسل ونسب کے گزیدہ اسیر، اسلام کے حصار میں آکر خدائے واحد کے حضور سر بسجدہ ہوئے تو توحید نے ان کے ہاتھوں میں وہ عالم شکار تلوار دی کہ قیصر کا قصر لرزا، کسریٰ کا محل گرا، آتش خانوں کی آگ بجھی، رحمۃ للعالمینؐ کے دامانِ کرم سے وابستہ دریدہ دامنوں اور بوسیدہ عباؤں نے قبائے شاہاں اور تخت وتاجِ سلاطین پر اپنے قدم رکھے۔ طلوع اسلام کا واقعہ ایک نئی تاریخ کا آغاز ہے۔محمدؐ کا پیغام ابدی ہے۔ ان کی رسالت تمام عالموں اور کل زمانوں کی ہدایت ہے۔یہ سیل لشکر کشی نہیں، فتوحات کا اٹوٹ سلسلہ نہیں، سیاست کی آدم کشی نہیں، جاہ طلبی کی کشمکش نہیں، استحصال اور استثمار کی قلعہ کشائی نہیں۔یہ ہدایت ہے صلابتِ کردار کی اساس، یہ رسالت ہے حریتِ انسان وانسانیت کی ضمانت۔ اگر اس ہدایت ورسالت پر ہوسِ لشکر کشی غالب آئی، فتوحات نے اس کی قلبِ ماہیت کی سیاست نے اسے مکر ومصلحت کی آماجگاہ بنایا، جاہ طلبی نے اسے دنیا کوشی وحاکم پرستی میں بدلا، استحصال واستثمار نے اس کے اسلحوں سے زرومال کے قلعے غریبوں کی لاشوں پر تعمیر کئے تو نور کا یہ لاثانی سرچشمہ خشک ہوسکتا تھا۔مستضعفین جہاں کی امیدیں ہمیشہ کے لئے مرسکتی تھیں۔حریت کا جذبہ دلوں میں دفن ہوسکتا تھا، صلابت کردار غلامی کی خوگر ہوسکتی تھی کذب صدق پر، باطل حق پر، اندھیرا نور پر فتح پا نہ سکا تو اس کا سبب یہ تھا کہ رسالت نے اپنے پیغام کی حفاظت کے لئے ایسے افراد کی تربیت کردی تھی جو نامساعد حالات اور امّتیوں کی گمراہیوں میں بھی دعائے ابراہیمؑ کے ثمرات کی حفاظت کرسکیں۔اس پیغام کی ابدی بقا کو ذبح عظیم کی ضرورت تھی۔آغوشِ رسالت کے کسی پروردہ کو کل پر ملتوی قربانی اسمٰعیلؑ کا قرض ادا کرنا تھا۔حسینؑ نے یہ قرض اپنے اور اپنے اعزّا واصحاب کے خون سے ادا کیا۔سلسلۂ انوار انبیاء کو اپنی بقا کے لئے امامت کی شہادت درکار تھی۔ اس ادائے قرض اور اس شہادت کا نام کربلا ہے۔اگر کربلا تاریخ انسانیت کے سیل تباہ کار میں نہ ابھرتی اور اس کا رخ نہ موڑتی تو اس کا وہ دھارا، جس کا نام اسلام ہے، اپنے کلمہ گویوں کی دنیا پرستی وجاہ طلبی، مستضعفین کشی واستحصال پسندی، اور توحید کے نام پر جابر وظالم حاکموں کی سجدہ گزاری کے ہاتھوں تاریخ کے سینے سے محو ہوجاتا۔

ظاہر بیں آنکھوں سے تاریخ پڑھیئے تو کربلا چند ساعات کی مختصر سی لڑائی ہے جس میں ۷۲ یا زیادہ سے زیادہ ایک سو کچھ افراد اپنی بے سروسامانی کے ساتھ ہزاروں کے لشکر سے ٹکرائے اور موت کی آغوش میں جا سوئے۔ ان میں وہ بوڑھے بھی تھے۔جنھیں سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھایا گیا، وہ جوان بھی تھے جن کی تلواروں نے ذوالفقار سے شجاعت وعدالت کا درس لیا تھا، وہ کم سن بھی تھے جو جنگ کو بچوں کا کھیل سمجھ کر ماؤں کی گودیوں سے مچلتے ہوئے میدان میں آگئے تھے۔اور ان کے پسِ پشت عورتوں اور معصوم بچوں کا

ایک قافلہ تھا جس کی نگہبانی وسالاری کے لئے ایک بیمار رہ گیا تھا یا تیغ علیؑ کی ورثہ دار زبانِ زینبؑ۔ اس جنگ کا موازنہ اگر یونان وایران کی معرکہ آرائیوں اور عظیم فاتحین کی لشکر کشیوں سے کیجئے تو شہید ہونے والے کسی شمار میں نہیں۔ جنگ کی مدت کو پیمانۂ ماہ وسال سے ناپئے تو برسوں اور مدتوں چلنے والی جنگوں کے مقابل میں نمازِ صبح سے عصر تک جاری ہونے والی لڑائی کی اہمیت کیا رہ جاتی ہے؟ خود صفین کی جنگ میں دونوں جانب ہزار ہا مسلمانوں کے لشکرِ جرار نبرد آزما ہوئے تھے اور مہینوں معرکہ آرائی نے طول کھینچا تھا۔ پھر آخر چند گھنٹوں کی اسی مختصر لڑائی کو آج تک کیوں یاد کیا جاتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جنگ نے لا الٰہ الاّ اللہ کی بنیاد مضبوط کردی، رسول اکرمؐ کے سارے غزووں اور سریوں کی فتحوں پر مہر توثیق ثبت کی، جمل وصفین ونہروان کا آخری فیصلہ کیا، صلح حسنؑ کے معاہدے کے ساتھ معاویہ کی ملوکیت کی پیمان شکن سیاست کا پردہ چاک کیا۔ نفاق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور ایمان کا چہرہ روشن کردیا۔ اگر کربلا کی جنگ وقوع پذیر نہ ہوتی تو اسلام کی رسالت وامامت ملوکیت کے تخت تلے دب کر ۶۱ھ میں ختم ہوگئی ہوتی۔ اس جنگ میں ظلم کے لشکروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں تلے پامال ہوجانے والی لاشوں نے اسلام کو نئی زندگی بخشی، اس جنگ کے شہیدوں کی بے کفنی نے چادر تطہیر کا سایہ انسانیت کے سر سے نہ اٹھنے دیا۔ اس جنگ کے اسیروں کی مظلومی وجرأت نے مسلمانوں کو بے باکی وحق گوئی کا درس دیا، آنے والے زمانے کے آشفتہ سروں کو بتایا کہ اسیری آزادی کی تمہید ہے۔ گرفتاری، طوق وسلاسل عزت اور تخت نشینی وخون آشامی ابدی ذلت۔ کسی جنگ کی تاریخی اہمیت کا اندازہ اس میں شرکت کرنے والے افراد کی تعداد، اس میں قتل ہونے والوں کی قلت اور اس کے جاری رہنے کی مدت سے نہیں لگایا جاسکتا بلکہ اس کے فوری اور دوررس اثرات سے لگایا جاتا ہے۔ جنگ کی قاطعیت وعظمت کا یہ معیار بھی کربلا نے قائم کیا۔

اسلامی تاریخ میں کربلا کی انقلاب آفرین اہمیت کو سمجھنے کے لئے ابوالاعلیٰ مودودی کی ''خلافت وملوکیت'' اور طٰہٰ حسین کی ''علیؑ اور ان کے فرزند'' پڑھنا کافی ہے۔ صفین میں ''لَا حُکْمَ اِلَّا لِلّٰہِ'' کے نعرے نے ناگزیر شکست سے بچنے کے لئے جس طرح قرآن کو نیزوں پر بلند کیا وہ تمہید تھی اس بات کی کہ آج اگر قرآن صامت نیزے پر ہے تو کل قرآن ناطق بھی نیزے پر بلند کیا جاسکتا ہے۔

معاویہ کی وفات کے بعد صلح حسنؑ کے مطابق مسلمانوں کو اپنا خلیفہ منتخب کرنے کا حق تھا، اور اس وقت مسلمانوں کی نظر رسولِ اسلام کے فرزند پر تھی اسی سے وہ ہدایت کے طالب ہوئے اور اسی کو یزید کے خلاف نبرد آزما ہونے کی دعوت دی۔ اگر اس وقت فاطمہؑ کا لال گوشہ نشین رہتا، مصلحتاً بیعت کرلیتا تو خود کو اور اپنے خاندان کو ہلاکت سے بچالیتا مگر اسلام اور اس کی اقدار کو ہلاکت سے نہ بچاسکتا تھا۔ حسین علیہ السلام نے شہادت کو لبیک کہا، مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا تک کا راستہ پیغام اسلام کی اشاعت اور ظلم کے خلاف جنگ کا سفر تھا۔ یہ جنگ عاشور کے دن بظاہر اختتام کو پہنچی، لیکن دراصل جاری رہی۔ کربلا کے بعد یہ جنگ

کوفہ اور دمشق کے بازاروں اور درباروں میں بے کسی کے مظاہرے اور مظلومیت کی زبان سے لڑی گئی۔ حسینؑ نے توسر دے کر جنگ کا آغاز کیا تھا۔ کربلا کی آواز کوفے میں زینبؑ کی زبان بن گئی۔ بعدِ حمد ونعت مجمع عام کو یوں مخاطب کیا:

''اے اہل کوفہ! کیا تم ہم پر رو رہے ہو؟ تمہارے آنسو کبھی خشک نہ ہوں اور تمہارے نالے کبھی بند نہ ہوں۔ تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو مضبوط دھاگا کاتتی ہے اور پھر خود اسے توڑ دیتی ہے۔ تم نے اپنے ایمانوں کو خود دھوکا دیا خود اپنے ساتھ خیانت کی، خود ہی ایک عہد باندھا اور اسے پھر توڑ دیا۔ تم میں کوئی ہنر ہے تو یہ کہ تم خودستائی، گزاف وفساد اور کینہ توزی جانتے ہو۔ کنیزوں کی طرح خوشامد وتملق تمہارا شیوہ ہے اور دشمنوں کی غمّازی تمہارا وطیرہ۔ تم گندگی میں اُگی ہوئی گھاس ہو جو کھائے جانے کے لائق نہیں۔ تم اس چاندی کی طرح ہو جو صرف قبر پر منڈھی جاسکتی ہے۔ تم نے دوسری دنیا کے لئے کتنا بڑا توشہ تیار کیا ہے۔ وہ توشہ جو غضب خداوندی کو دعوت دیتا اور بھڑکاتا ہے اور عذاب جاودانی کو خود تمہارے لئے فراہم کرتا ہے۔

تم ہمیں قتل کرنے کے بعد ہم پر روتے ہو اور خود پر لعنت کرتے ہو؟ ہاں بخدا! بعد میں تم اس سے زیادہ روؤگے اور شاید ہی کبھی ہنس سکو کیونکہ تم نے اپنے لئے ننگ اور بدنامی وشرم کی خریداری کی ہے۔۔۔۔۔''

اس خطبے میں علیؑ ابن ابی طالب کی اس سرزنش کی گونج ہے، جو آپ نے اہل کوفہ کی جنگ وجہاد میں سستی پر انھیں فرمائی تھی اور مستقبل کی پیش بینی کرتے ہوئے کہا تھا کہ: ''تم آج میرے ساتھ دشمن کے خلاف جنگ نہ کروگے تو کل تمہیں دشمن کے ہاتھوں ذلیل ہونا پڑے گا۔ تمہارے گھر تاراج، تمہاری کھیتیاں برباد اور تمہاری اولاد قتل ہوگی ۔۔۔۔اس وقت تم پچھتاؤگے اور کہوگے کہ کاش ہم نے علیؑ کی بات سنی ہوتی اور ان کا ساتھ دیا ہوتا۔'' اور واقعی ایسا ہی ہوا، علیؑ کی شہادت کے بعد اپنے ساتھیوں کی سستی اور مخالفت دیکھ کر امام حسنؑ کو صلح کرنی پڑی، معاویہ نے کوفہ میں داخلے کے بعد جب تک امام حسنؑ وہاں سے عازم مدینہ نہ ہوئے مدارات کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے بعد اہل کوفہ پر ظلم وتعدی کا دور شروع ہوا اور لوگوں نے علیؑ کو یاد کرنا شروع کیا۔ یہی پشیمانی تھی جس نے حسینؑ ابن علیؑ کو مدینے آنے کی دعوت دی تاکہ گذشتہ سستیوں کی تلافی ہو اور ظلم سے نجات ملے۔ لیکن اموی سیاست نے ابن زیاد سے وہی کام لیا جو اس سے قبل اس کے باپ سے لے چکی تھی۔ وہ جو واقعی دوستانِ حسینؑ تھے، قید کئے گئے، قتل ہوئے اور وہ جن کے ایمان سست، وعدے کچّے تھے، گھروں میں بیٹھ رہے اور پھر گوشوں سے نکال کر حسینؑ کے خلاف لڑنے کے لئے بھیجے گئے۔ جناب زینبؑ کے مختصر سے خطبے نے اہل کوفہ کو اپنے حال پر روتا دیکھ کر معاویہ ویزید کی سیاست کے نتیجے میں خود

ان کی ذلت یاد دلائی اور اپنے باپ کے لفظوں میں مستقبل کی بربادی کا نقشہ پیش کیا۔ زینبؑ کے ملامت آمیز لفظوں میں اپنا نوحہ نہیں بلکہ خود امت کی گمراہی وگرفتاری کا مرثیہ ہے۔ اسلامی اصولوں سے منحرف سیاست وانتظامِ ملک کی تنقید ہے۔ یہ آواز تاریخ کے سینے سے نکلی ہے۔

ابومنصور طبرسی نے احتجاج میں خدام اسدی سے روایت کی ہے اس مختصر خطبے نے مجمع میں تلاطم پیدا کر دیا۔ امام زین العابدین علی ابن الحسینؑ نے آگے بڑھ کر مجمع کو سکوت کا اشارہ کیا، قاتلوں کے خانوادوں کو ان کے ظلم یاد دلائے، کربلا میں شہید ہونے والوں کی مظلومیت بیان کی، پیمان شکنی اور مہمان کشی کے عواقب سے آگاہ کیا اور انھیں عبرت دلائی کہ تم نے رسولؐ خدا کے دل کو زخمی کیا ہے، کیا اسی منہ سے ان کے سامنے جاؤ گے؟

یزید کے دربار میں زینبؑ کی شمشیر برّاں پھر چلی، جس نے یزید کے نشہ آفریدہ لاف وگزاف کی زبان قطع کر دی، ثانیِ زہراؑ کا مخاطب خلیفہ وقت ہونے کا دعویٰ دار ہے:

''خدائے جہانیاں کی تعریف اور پیمبرؐ اور ان کی آل پر درود خدائے پاک ومنزّہ نے سچ فرمایا ہے کہ ''وہ لوگ جو بدی کرتے ہیں اور جرم وعصیاں سے اپنے دامن آلودہ کرتے ہیں انجام کار بدی ہی کو پہنچتے ہیں۔'' تو اس حال کو پہنچ گیا کہ آیاتِ خدا کی تکذیب کی اور ان کا مذاق اڑانے لگا۔ اے یزید! تو نے یہ گمان کیا کہ گویا ہم پر دنیا کی وسعت اور فضا کی پہنائی تنگ کر دی گئی ہے۔ ہمیں تو نے اسیر کر کے شہروں اور ملکوں میں پھرایا اور یہ خیال کیا کہ ہم خدا کے نزدیک بھی خوار ورسوا ہوئے اور تیری بزرگی میں اضافہ ہوا۔ کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ واقعی اس طرح تجھے عظمت حاصل ہوگئی ہے جو اپنے آپ پر اس طرح ناز کر رہا ہے اس بات پر تو خوش ہے کہ تیری دنیا آباد ہے تیرا کام مراد کو پہنچا اور سوچ! کیا خدا کے سخن کو تو نے فراموش کر دیا'' جو کفر کے راستے پر چلتے ہیں گمان نہ کریں کہ انھیں دی گئی یہ چندروزہ مہلت ان کے لئے سودمند ہوگی۔ نہیں، یہ مہلت اس لئے ہے کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کریں۔ بے شک ان کے لئے عذاب وذلت مقدر ہو چکے ہیں۔'' اے اسلام کے احسان سے آزادی پانے والے (طلیق) کے بیٹے! کیا تو اسے انصاف سمجھتا ہے کہ تیری عورتیں اور کنیزیں پردہ نشین ہوں اور پیمبرؐ کی بیٹیاں اسیر کر کے شہر بہ شہر پھرائی جائیں۔۔۔ اگرچہ انقلاب زمانہ نے مجھے تیرے سامنے تقریر کرنے کے لئے لا کھڑا کیا ہے، مگر میں تجھے اس قابل نہیں سمجھتی کہ تجھ سے بات کروں اور تجھے سرزنش کروں۔ تو اس سے کہیں زیادہ پست وادنیٰ ہے (یعنی میرے سخن کا شایاں نہیں)۔ لیکن کیا کروں کہ ہماری آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہو رہی ہے اور ہمارے سینے آتشِ غم سے بھڑک رہے ہیں آہ! کتنا عبرت ناک

وعجیب ہے یہ واقعہ کہ حزبِ خدا کے بزرگ
وسردار حزب شیطان اور طلقا کے ہاتھوں قتل
ہو گئے۔۔۔شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمارا آغاز
سعادت وآمرزش سے کیا، اور ہماری انتہا شہادت
اور اپنی رحمت پر فرمائی۔

ان لفظوں کے ایجاز وایمائیت میں اسلام کی تاریخ کا ماضی و مستقبل سمٹ آیا ہے۔ یہ احتجاج کا درس ہے، مرثیہ خوانی کا اسلوب ہے، موعظت و پند کی تہدید آمیز زبان ہے، تاریخ کے شعور کی ترجمانی ہے۔ ان خطبات کے ساتھ زینبؑ، ام کلثومؑ، فاطمہ بنت الحسینؑ اور سب سے بڑھ کر امام علیؑ بن الحسینؑ کی دوسری تقریروں نے کربلا کی مظلومیت وحقانیت کی تبلیغ کا کام شروع کیا۔ ندامت کے آنسوؤں کے ساتھ سینوں میں ظلم کے خلاف نفرت وبغاوت کی آگ بھڑکائی، اہلبیتؑ اطہار تو اسیری سے آزادی کے بعد مدینہ رسولؐ میں سرد جنگ میں مصروف ہوگئے۔ لیکن ان کے حیرت آفرین صبر اور شہیدوں کے خونِ بے گناہ نے بہت سے جوانوں اور اسلام دوست دلاوروں کو شمشیر بکف کردیا۔ چنانچہ ایک قابل توجہ گروہ کے بعد دوسرا گروہ میدان میں آتا رہا۔ مختار ثقفی نے خروج کیا اور قاتلان انصار واقربا وامام کو انتقام خدا کے قہر سے دنیا ہی میں روشناس کیا۔ یزید کی ناگہانی موت کے بعد خود اس کے بیٹے معاویہ ثانی نے اس تخت پر قدم رکھنے سے انکار کردیا جس کے پائے خونِ حسینؑ میں ڈوبے ہوئے تھے، اسی طرح خلافت معاویہ ویزید کی نسل سے نکل کر مروان اور اس کی آل کو ملی۔ پوری تاریخ میں ان ظالموں کو حق پرستوں نے روکا بھی اور رسوا بھی کیا۔ شاعروں کی زبانیں اور عوام کے دلوں میں آل رسول کے لئے جذبۂ عقیدت واحترام انھیں اپنی بے مایگی وذلت کا احساس دلاتا رہا۔

کربلا کے تذکرہ خوان شعراء کی زبانیں حق کی منوّر شمعیں بنی رہیں۔ دعبل خزاعی نے کہا:

''چالیس برس سے میں اپنی دار کی
لکڑی اپنے کاندھوں پر اٹھائے گھوم رہا
ہوں۔ لیکن اب تک وہ شخص دکھائی نہیں دیا
جو مجھے اس دار پر کھینچ دے۔''

ادب وشعر سے قطع نظر کرکے اگر مابعد کربلا تاریخ اسلام میں فکر وفلسفہ اور ذکر وفکر کے آغاز وارتقا پر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان کی فکری سمت زندگی آفرین انداز میں قرآن وحدیث اور نہج البلاغہ میں ہے اور کربلا میں عملی صورت کی نقش بندی ہے سرکاری اداروں کا پروپیگنڈا اور اہلبیتؑ کی طرف سے حقائق کی نقاب کشائی، جبر وقدر اور حکمرانی کی مذہبی حیثیت کی نفی واثبات، قرآن مجید کی تاویل وتفسیر، اسلام وزہد، اسلام وسیاست، غیر جانبدار ہوکر گوشہ نشینی شیوہ مسلمان ہے، یا مسجد ومیدان دونوں جگہ تکبیر وتہلیل وجہاد کے فریضے کو انجام دیا جاسکتا ہے۔ یہی یک جائی اور ہم آہنگی مرثیہ گو اور مجلس خوان خطیبوں کی گرج کچھ عرصے کے بعد مزار سید الشہداءؑ کربلا، پھر حسینیوں سے نمایاں ہوئی۔

اموی حکمرانوں کی اسلام کے نام سے لبادہ پوشی کے باوجود کافرانہ رویوں کے تضاد نے اہل عقل وہوش کو نئے تضاد سے دوچار کردیا، وظیفہ خواران دربار وطرفداران سرکار نے

اس تضاد میں تاویل کا عمل شروع کیا اور آزادفکر اہل نظر نے استدلال وعقل کا بازو تھاما۔ کہتے ہیں کہ کلام ومباحث عقائد نے کربلا کے بعد واضح طور پر دوخط حاصل کر لیے۔

تصوف، عرفان اور للّٰہیت ملتے جلتے اصطلاحات ہیں۔ان میں سے کون سانام پرانا ہے کون سانیا؟ بحث طلب بات ہے۔کربلا کے بعد صفہ نشینی کو خانقاہی نظام کی شکل دینے کے خلاف جمود وسکوت وترکِ دنیا کے بدلے۔ رجوع الی اللہ، ذکر الٰہی، اور صرف اللہ سے ربط رکھنے کی ایک نمایاں سمت وہ ہے جو صحیفۂ کاملہ میں نظر آتی ہے۔صحیفۂ کاملہ۔ صرف اور فقط وظائف وتعقیبات کا مجموعہ نہیں، اس میں توجہ الٰی اللہ اور فکر دین اللہ، دونوں کے روشن چراغ موجود ہیں۔ فرد، معاشرہ، حقوق خدا ورسول، ضوابط امر ونہی، طریق موت وآداب زندگی سب کا فلسفہ اور نفسیاتی ابلاغ موجود ہے۔

کربلا سیاست وسماج کی سطح پر ادب، عرفان اور فلسفہ کے وسیلے سے ہمیشہ کارفرما رہی، بنی امیہ کا زوال اور بنی عباس کا عروج کربلا کے ہتھیار سے ممکن ہوا۔علویین کی بغاوتیں اور فاطمیین کی شاندان حکومت کے قیام کا سرچشمہ کربلا ہی تھی۔ صدیوں بعد صفویوں کا ایران میں قیام واستحکام کربلا ہی کے فیض کا ایک کرشمہ ہے۔تقیہ اور انتظار کے طویل دور کے بعد پھر کربلا ہی نے ایران میں شاہی جبر کے خلاف مسلمانوں کی بغاوت کو کامیاب کیا، کربلا کا عطا کیا ہوا جذبۂ شہادت ایران کی مسلسل جنگِ دفاعی سے لے کر لبنان کے کمزور اور ستم رسیدہ لبنانی عاشقان حسینؑ تک یوں بروئے کار آیا کہ ایک طرف تو امریکہ ایسی طاقت کو شکست کھانی پڑی، دوسری طرف اسرائیل ایسی جارحانہ طاقت کو جو جدید ترین اسلحوں سے لیس تھی، لبنان کے نہتے عاشقانِ کربلا کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا۔اقبالؔ کو شکوہ تھا کہ لاکھوں یزید ایک طرف صف آرا ہیں، مگر دوسری طرف ''قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں'' کون عنوانِ نجات کی سطر لکھے گا۔ ۱۹۷۹ء میں حسینیوں نے جواب دیا کہ کربلا کا جذبہ آج بھی سامراجی یزیدیت اور اموی انداز کی ملوکیت کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں پہلا اسلامی انقلاب کربلا ہی کو مقصود نظر بنا کر کامیاب ہوسکا۔اس طرح کربلا میں حسینؑ اور ان کے رفقا کی شہادت، جس نے ۱۰۰ سال کے اندر اموی ملوکیت کو خون کے سیلاب میں غرق کردیا تھا ایک بار پھر عصر حاضر کی یزیدیت یعنی سامراجیت کے ایشیا میں اثر ونفوذ کی موت کا دیباچہ بن گئی۔ ایران کے انقلاب اور لبنان میں کمزور مسلمانوں کی فتح کو کربلا کے حوالے کے بغیر سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔

کربلا نے ایک طرف سچے اسلام اور اس کی اقدار کا تحفظ کیا اور خونِ حسینؑ نے ان اقدار کی بقا کی ضمانت لی، دوسری طرف کربلا نے فکر ونظر کے جادے روشن کر کے عالم اسلام کی ذہنی وعلمی ترقی کا اثاثہ فراہم کیا، تیسری طرف ایسے جذبۂ آزادی کو فروغ دیا جو ہر دور میں انقلابی رجحانات وتحریکات کو اسلحے فراہم کرتا رہا۔ کربلا کا تیسرا فیضان عالم اسلام ہی سے مخصوص نہیں، تاریخ انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے۔ کربلا کے کثیر الجہات اثرات کو دیکھا جائے تو کربلا

تاریخ اسلام ہی کا انقلاب آفرین موڑ نہیں، تاریخ انسانیت کا وہ روشن سنگِ میل بن کرا بھرتا ہے جس نے تمام انقلابوں، آزادی کی تحریکوں اور عدل ومساوات کے نظریات کے لئے راستے کھول دیئے۔

کربلا ہے قوتِ دورِ زماں، روح حیات　　زیست کا عرفان ہے اور معرفت گاہِ ممات
کربلا عقدہ کشائے عقدۂ دشوارِ ذات　　کربلا کا نقطہ نقطہ صد ہزاراں کائنات

کربلا پیمانۂ ظرفِ جہاں ہے آج بھی
تشنگی کا ایک دریائے رواں ہے آج بھی

کربلا ہے صدقِ احمدؐ، نطقِ وحیِ کردگار　　کربلا ہے چادرِ تطہیرِ زہراؑ کا وقار
کربلا ہے فقرِ حیدرؑ، عدلِ چشمِ ذوالفقار　　کربلا صلحِ حسنؑ، عدلِ سم آلودہ کا وار

کربلا پیمانۂ حق، عدل کی میزان ہے
کربلا تفسیرِ صلح و جنگ کا عرفان ہے

کربلا ہے مجمع البحرین بطحاء و نجف　　کربلا ہے شہرِ علم وجادۂ بیت الشّرف
کربلا بحرِ رضائے حق کا تابندہ صدف　　کربلا ہر ظلم کے آگے ہے اب بھی سر بکف

ماہِ برجِ یثرب و درِّ نجف ہے کربلا
جس طرف عدل و رضا ہیں اس طرف ہے کربلا

کربلا خاکِ شفا پر ہے شہیدوں کی نماز　　کربلا شام غریباں کے چراغوں کا گداز
کربلا رہبر مناروں کی قطارِ ضو طراز　　کربلا نیزوں پہ روشن آفتابوں کا فراز

خون حق سے روشنی کے سلسلے قائم ہوئے
کربلا بن کر ہی طیبہ و نجف دائم ہوئے

کربلا شوقِ سفر بھی، کربلا منزل بھی ہے　　کربلا طوفان بھی ہے، کربلا ساحل بھی ہے
کربلا پیکان بھی، حلقوم بھی اور دل بھی ہے　　ماورا ہر عہد سے ہر عہد میں شامل بھی ہے

کربلا کے قافلے کے ساتھ چلتی ہے حیات
پیچھے رہ جائے تو صدیوں ہاتھ ملتی ہے حیات

کربلا تک آکے پلٹو بھی تو جاؤگے کہاں　　جس طرف جاؤگے ہوگا کربلا موجود واں
کربلا لیتا رہے گا ہر قدم پر امتحاں　　حشر تک ہوگا حسابِ دوستان و دشمناں

کربلا ہے زندگی، اور زندگی ہے لازوال
کربلا خود آگہی اور آگہی ہے لازوال